Vol. 6 No.3 2023

ISSN Online: 2709-7

ISSN Print: 2709-76

راجندر سنگھ بیدی مثبت طرزِ فکر کا افسانہ نگار

Rajendra Singh Bedi is a poet of positive thinking

سمسون مسیح

ایم فل اسکالر، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر محمد عطااللہ

اسسٹنٹ پروفیسر، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور

عظمیٰ عصمت

ایم فل اسکالر، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور

Abstract

Rajendra Singh Bedi as a fiction writer does not need any praise. His valuable services in Urdu fiction writing. Due to his literary creations, he has a unique and distinguished position among his contemporary fiction writers. Since our query was that Rajendra Singh Bedi A unique way of thinking is found in the legends of Singh Bedi, therefore, in the proposed paper, an attempt has been made to highlight the way of thinking by conducting a research and critical review of his six fictional collections. In his legends, many dimensions of the unique way of thinking have been shown gives.

If we talk about Bedi's fiction, Bedi has made the life of the common people of Indian society the subject. Because of this, the characters are not fictional but live a real life. In his fiction, gender is portrayed in a very positive way. has been presented. Reading these fictions increases faith in man and humanity. They have presented real life after deep observation and thought. This is the reason why despite writing less than some fiction writers, they are legendary. They have a unique position in literature. In terms of positive and unique way of thinking, this subject is important in the future for its scope and understanding of all aspects of life.

Key Words: Humanity, Fictions, Many dimensions, Research, Urdu fiction writing, legendary, Praise

راجندر سنگھ بیدی کا شمار بیسویں صدی کے عظیم افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ان کی پیدائش یکم ستمبر 1915ء کو صبح 3 بج کر 47 منٹ پر لاہور شہر میں ہوئی۔ان کا آبائی وطن تو گاؤں ڈلے کی تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ تھا۔لیکن ان کے والد لاہور میں ملازمت کرتے تھے۔اس لیے والدین لاہور میں رہتے تھے

بیدی کے والد ہیرا سنگھ بیدی ڈاکخانے میں ملازمت کرتے تھے۔ان کا کئی جگہ پر تبادلہ ہوا تھا۔ایک دفعہ مجیٹھا ضلع امرتسر میں تعینات ہوئے۔وہاں انہیں سیوادیوی نامی لڑکی سے محبت ہوگئی۔جو پنڈت رلارام کی بیٹی تھی۔دونوں آپس میں شادی کرنا چاہتے تھے لیکن دونوں کا مذہب الگ الگ تھا۔ہیرا سنگھ بیدی سکھ مذہب سے تھے اور سیوا دیوی ہندو مذہب سے تعلق رکھتی تھیں۔ان دنوں مذہب اور ذات پات کی سماجی پابندیاں بڑی سخت تھیں۔کچھ عرصے کے بعد ہیرا سنگھ بیدی کا تبادلہ لاہور ہوگیا۔اور وہ لاہور کے ڈاک خانے میں کام کرنے لگے۔کچھ دنوں بعد آپ اپنی محبوبہ سیوادیوی سے ملنے مجیٹھا ضلع امرتسر گئے۔دونوں جانتے تھے کہ والدین کی اجازت نہیں ملنی اس لیے دونوں نے فرار ہو کر لاہور کے ایک آریہ سماج مندر میں ہندو رسم و رواج کے مطابق آپس میں شادی کرلی۔ بچہ جب چھوٹا ہوتا ہے تو اس کی تربیت اور ذہنی نشوونما اس کے والدین کرتے ہیں اور وہ گھر کے ماحول سے بھی بہت کچھ سیکھتا ہے اسی طرح بیدی نے بھی بچپن میں اپنی ماں سے جو کچھ سنا اور پڑھا۔وہ ادبی زندگی میں ان کے فن کا حصہ بن گیا۔مثلاً چار پانچ سال کی عمر میں بیدی نے گھر میں والدہ کو گیتا کا پاٹھ کرتے ہوئے سنا اس کے علاوہ ہندو مذہب کی کہانیاں بھی سنتا تھا۔جو ان کے ذہن میں نقش ہوگئیں۔اسی وجہ سے بیدی کے افسانوں میں دیومالائی عنصر نظر آتا ہے۔

’’ یہ بات غور کرنے کی ہے کہ ماتھولوجی سے رغبت کی وجہ سے ہی بعد ازاں
دیومالائی عنصر ان کے افسانوں میں در آیا۔‘‘

(جگدیش،2013،ص17)

بیدی کا افسانے سے لگاؤ بچپن ہی سے تھا۔اس کی وجہ یہ تھی کی ان کے چچا کا لاہور میں ایک پرنٹنگ پریس تھا وہاں پر تقریباً چھ سات ہزار اردو کتب موجود تھیں۔چھٹی سے آٹھویں جماعت تک بیدی نے ان میں سے بہت زیادہ کتابیں پڑھ لی تھیں۔

جب بیدی نے شاعری لکھنے کا ارادہ کیا تو ان کو علم العروض کی کوئی سمجھ نہیں آرہی تھی۔کافی کوشش کے باوجود بھی ایک مناسب مصرع بھی نہ لکھ سکا تو انہوں نے ایک پرانے رسالے سے گمنام شاعر کی ایک غزل چرائی اور اپنے نام سے اخبار میں شائع ہونے کے لیے بھیج دیا۔جب غزل اخبار میں شائع ہوگئی تو بیدی بہت زیادہ خوش ہوا۔اُس غزل کو کئی دن اتنی بار پڑھا کہ ان کو خود بھی یقین سا ہونے لگا کہ یہ غزل انہوں نے خود لکھی ہے۔

بیدی کے گھر میں ایک مہمان رہتا تھا جو شاعر تھا۔اُس نے جب اخبار میں بیدی کی غزل پڑھی تو اگلے ہی دن اسی اخبار’’ دردِ سخن‘‘ میں بیدی کی غزل چوری کا راز فاش کردیا۔اس بات پر بیدی بڑا شرمندہ ہوا۔انہیں نا جانے کیوں محسوس ہوا کہ یہ بندہ شاعر نہیں ہے۔بیدی نے اسی رات اپنے بھائی سے مل کر جب مہمان کے سوٹ کیس کو کھولا تو معلوم ہوا کہ یہ جناب بھی ہندو مہا سبھا کالج امرتسر کے رسالے’’ شوالہ‘‘ سے شعر چوری کرتے ہیں۔بیدی کو یہ چوری پکڑ کر بڑا دلی سکون ملا۔بہر حال اس واقعہ کے بعد بیدی نے یہ ٹھان لیا۔جیسا بھی ہو وہ اپنا خود کا لکھ لے گا۔

بیدی نے اپنی ادبی زندگی کا باقاعدہ آغاز1931ء میں کالج کے زمانہ میں کیا۔اُس وقت ان کی عمر سولہ سال تھی۔ان کی سب سے پہلی نظم’’باغِ ارم‘‘ تھی جو انگلش میں تھی اور کالج کے میگزین میں شائع بھی ہوئی تھی۔پنجابی میں ان کی نظم’’دکھ سکھ‘‘ تھی جو سارنگ رسالے میں شائع ہوئی۔اسی طرح اردو میں ان کی پہلی کہانی’’مہارانی کا تحفہ‘‘ تھی جو ماہنامہ’’ادبی دنیا‘‘ میں شائع ہوئی تھی۔اُس وقت اُس رسالے کے مدیر صلاح الدین نے اس کہانی کو سال کی بہترین کہانی قرار دیا تھا۔

برصغیر میں1930ء میں جب عوامی سطح پر ادب کا تصور ابھرنے لگا تو عوام کا ذہنی افق بھی وسیع ہونے لگا۔کیونکہ برصغیر میں مختلف سیاسی تحریکوں کے ساتھ ساتھ ادبی تحریکیں بھی کام کررہی تھیں۔قومی آزادی کے لیے جدوجہد بڑھ رہی تھی۔سیاسی، سماجی اور ادبی پس منظر میں اردو میں نئی افسانہ نگاری کا آغاز ہوگیا تھا۔اس دور میں بیدی نے افسانہ نگاری کا آغاز کیا۔بیدی ایسے افسانہ نگاروں میں شمار ہونے لگا جن کی تخلیق کو عمدہ قرار دیا جاتا تھا۔اس وقت ترقی پسند تحریک کا دور چل رہا تھا۔ان میں جذباتیت، رومانویت اور خطابت تھی۔بیدی نے اپنے افسانوں میں روزمرہ کی زندگی کے اظہار کے لیے گہری سوچ اور حقیقت پسندی کو اپنایا۔اس نے اپنے افسانوں کے لیے موضوعات اپنی پسند سے نئے انداز سے بنائے۔جس بھی موضوع پر افسانہ لکھا کہانی بہت غور و فکر کے بعد خوب صورت الفاظ میں تخلیق کی۔مجموعہ’’گرہن‘‘ کے پیش لفظ میں خود بیان کیا ہے:

Vol. 6 No.3 2023
ISSN Online: 2709-7
ISSN Print: 2709-76

''جب کوئی واقعہ مشاہدے میں آتا ہے تو میں اسے من و عن بیان کر دینے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ حقیقت اور تخیل کے امتزاج سے جو چیز پیدا ہوتی ہے اس کو احاطہ تحریر میں لانے کی سعی کرتا ہوں۔''

(بیدی،1942ء ص10)

بیدی ترقی پسند تحریک سے متاثر ہوا تھا لیکن اس کے مکمل طور پر اثرات قبول نہ کیے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں میں ترقی پسند تحریک کی اندھی تقلید نہیں ہے۔تقسیم ہند کے فسادات نے افسانہ نگاروں پر گہرے اثرات چھوڑے۔ان فسادات کے دوران انسانیت کی بھی تذلیل ہوئی تھی۔بیدی کا افسانہ ''لاجونتی''انہی فسادات کی عکاسی کرتا ہے جو تقسیم ہند کے بعد مغویہ عورتوں کے بارے میں تھا۔اگر بیدی کے اسلوب کی بات کریں تو وہ اشاریت اور رمزیت کا حامل ہے۔بیدی نے اپنے افسانوں میں کوئی بات بھی سپاٹ نثر میں بیان نہیں کی۔بلکہ ان کا اسلوب تخلیقی طرز کا ہے۔وہ کہانی کے لیے الفاظ زندگی کے تجربات سے تلاش کر کے لاتے ہیں۔اسی لیے اس میں تازہ پھول جیسی خوشبو اور نیا پن ہوتا تھا۔اس کی کہانیاں گہری سوچ کی عکاسی کرتی ہیں۔

''منٹو نے ایک مرتبہ ٹوکا بھی تھا۔''تم سوچتے بہت ہو۔لکھنے سے پہلے سوچتے ہو۔بیچ میں سوچتے ہو اور بعد میں سوچتے ہو۔بیدی کا کہنا ہے سکھ اور کچھ ہوں یا نہ ہوں،کاریگر اچھے ہوتے ہیں اور جو کچھ بناتے ہیں۔ٹھوک بجا کر اور چول سے چول بٹھا کر بناتے ہیں۔''

(گوپی،1984ء،ص237)

بیدی کے استعاراتی اسلوب کی وجہ سے ان کے کرداروں کے مسائل،خوشیاں اور غم،دکھ اور سکھ اور محرومیاں نہ صرف کرداروں میں نظر آتی ہیں بلکہ ان کے احساسات وجذبات سے بھی محسوس ہوتے ہیں۔بیدی کے افسانوں میں گہری جذباتیت بھی پائی جاتی ہے۔یہ جذباتیت سطحی نہیں ہوتی۔بلکہ اچھائی اور برائی پر گہری نظر ڈالتی ہے۔اور نہ ہی دنیا کے دکھ درد اور مسائل کو بھیانک بنا کر پیش کرتی ہے۔

''بیدی اردو کے سب سے زیادہ جذباتی افسانہ نگار ہیں۔اور ان کی افسانہ نگاری کا ہر پہلو اسی گہری جذباتیت کا پیدا کیا ہوا ہے۔''

(وقار،1985ء،ص5)

بیدی کے استعاراتی اور اساطیری اسلوب کی کامیاب مثال ''گرہن'' اور ''لاجونتی'' ہے۔بیدی کے افسانوں کے پہلے مجموعہ ''دانہ ودام'' میں بوڑھوں اور بچوں کی نفسیات کو بڑے خوب صورت انداز میں بیان کیا گیا ہے۔افسانہ ''بھولا'' میں چھوٹے بھولے اور بوڑھے دادا کے کردار کی نفسیاتی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔افسانہ ''من کی من میں'' مادھو اور ''کوارنٹین'' میں بھاگو کو انسانیت کی خدمت کرنے والے کرداروں کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔''تلادان'' میں طبقاتی تقسیم کی عکاسی ہوئی ہے کہ کس طرح امیر طبقہ غریب اور پسماندہ لوگوں سے ملنے سے گریز کرتے ہیں۔وہ ہمیشہ ان کو اپنے سے کم تر تصور کرتے ہیں اور ان سے دور رہتے ہیں۔افسانہ ''گرم کوٹ'' میں کلرک کی بیوی کے روپ میں عورت کو وفادار اور محبت کرنے والی دکھایا گیا ہے۔افسانہ ''بھولا'' میں ایک بیوہ ماں کے روپ میں مقدس اور باکردار عورت دکھائی دیتی ہے۔بیدی سماج میں جس چیز سے بھی متاثر ہوتے ہیں۔وہ اس کا اظہار اپنے افسانے میں ضرور کرتا ہے۔بیدی نے تقریباً 10 سال پوسٹ آفس میں ملازمت کی۔اس لیے ان کا ایک افسانہ ''غلامی'' ایک پوسٹ ماسٹر کے بارے میں ہے۔اسی طرح ''منگل اشٹکا'' اور ''لچھمن'' میں نفسیات پر گہری نگاہ ڈالی گئی ہے۔

بیدی کے دوسرے مجموعے ''گرہن'' سے افسانوں میں ایک نیا موڑ آجاتا ہے۔افسانوں میں جنس کی نفسیات ابھرنا شروع ہوتی ہے۔بیدی تعمیر کے فن اور کفایت شعاری کو جانتے تھے۔وہ کم سے کم نقش نگار میں زیادہ سے زیادہ رنگ بھر دیتے تھے۔جس طرح عمارت ایک ایک اینٹ سے تیار ہوتی ہے۔بیدی نے کہانیوں کو بھی چھوٹے چھوٹے واقعات سے مربوط کر کے تخلیق کیا ہے۔

Vol. 6 No.3 2023
ISSN Online: 2709-7
ISSN Print: 2709-76

''گرہن'' کی ہولی کے ساتھ حمل کے دوران ساس کا برا سلوک اور شوہر کی ہوس ناکی اس کو اس قدر بے قرار کر دیتی ہے کہ وہ اپنے میکے جانے کے لیے سمندر کی موٹر لانچ میں سوار ہو جاتی ہے۔ لیکن راستے میں اسی گاؤں کا ایک آدمی اس کی عزت پر حملہ کرتا ہے۔ جب چاند گرہن لگتا ہے تو وہ سمندر میں ڈوبنے کے لیے دوڑتی ہے۔ افسانے میں نفسیاتی حقائق کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ بیدی اساطیری اور دیومالائی عناصر بھی کہانی کا حصہ بناتا ہے۔ افسانہ ''رحمان کے جوتے'' میں توہم پرستی نظر آتی ہے۔ بوڑھے رحمان کی جوتی کا ایک پاؤں جب بھی دوسرے پاؤں کے اوپر پڑا نظر آتا ہے تو وہ یہی خیال کرتا ہے کہ اس نے ایک لمبے سفر پر روانہ ہونا ہے۔ بیٹی کے پاس جاتے ہوئے راستہ میں ٹرین کے ٹکٹ چیکر اور پولیس مین سے ہاتھا پائی ہو گئی۔ اسپتال میں داخل ہونے کے بعد بوڑھے رحمان نے جب پھر جوتے پر جوتا چڑھا دیکھا تو اس نے ڈاکٹر کو بولا کہ اس نے اب لمبے سفر پر جانا ہے کیونکہ بوڑھے کی نفسیات میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ جوتے پر جوتا چڑھنے کا مطلب سفر ہوتا ہے۔

اگر بیدی کے افسانوں کا فکری اعتبار سے جائزہ لیں تو ان کا بنیادی موضوع انسان کی فطری جبلت ہے۔ یہ معصومیت حالات اور وقت کی نزاکت کے ہاتھوں کبھی ستم ظریفی میں بدل جاتی ہے اور کبھی حالات پر طنز بن جاتی ہے۔ بھولا، ہمدوش، غلامی، اغوا، گرہن اور اپنے دکھ مجھے دے دو افسانوں میں معصومیت ستم ظریفی کے پہلو میں نمایاں ہوتی ہے۔ ''پان شاپ'' میں دونوں دوست ایک دوسرے سے اپنی غربت چھپاتے ہیں۔ ''گالی'' اور ''کوکھ جلی'' کے کردار ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہیں۔ جو بہت بری اور معیوب سمجھی جاتی ہیں۔ لیکن دوسری طرف یہ خلوص کی نشانی اور خوشگوار تعلق کی علامت سمجھی جاتی ہیں۔

بیدی کے افسانوں کا پسندیدہ موضوع گھریلو زندگی بھی ہے۔ ان کے اکثر افسانوں میں گھر کی چھوٹی چھوٹی خوشیاں اور دکھ سکھ کو بیان کیا گیا ہے۔ ''من کی من میں'' میں اور ''چھوکری کی لوٹ'' میں محبت ایک پاکیزہ روپ میں ملتی ہے۔ ''منگل اشٹکا'' اور ''بھمن'' میں شادی کی خواہش ایک المیہ اختیار کر لیتی ہے۔ ''لاروے'' میں گھریلو زندگی اتنی پسماندہ ہے کہ کشمیر کی اچھی آب و ہوا بھی زندگی کو راس نہیں آتی۔ ان سبھی افسانوں میں بیدی نے زندگی کا فلسفہ حیات بیان کیا:

> ''بیدی کا دوسرا محبوب موضوع گھریلو زندگی کی چھوٹی چھوٹی مسرتیں اور دکھ درد کو قرار دیا جا سکتا ہے۔''
>
> (حسن، 1985ء، ص 81)

اصل میں بیدی سماجی زندگی کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ اُن کی کہانیوں کے کرداروں میں زندہ رہنے کی خواہش ہر موڑ پر نظر آتی ہے۔ اور یہ خواہش بہت سنگین اور گہرا سمجھوتہ ہے۔ ''مہاجرین'' میں مولوی آتم کسی اور جگہ جا کر اور نام تبدیل کر کے ایک نئی پہچان کے ساتھ زندگی کا آغاز کرتا ہے۔

اگر بیدی کے افسانوں کی زبان کے بارے میں بیان کریں تو ان کی زبان اپنے تمام ہمعصروں سے مختلف ہے۔ بیدی نے اپنی کہانیوں میں اپنے فن کے اظہار کے لیے ایک خاص طرح کی زبان کو اپنایا ہے۔ دراصل وہ اپنے سماج سے جڑے ہوئے تھے اس لیے انہوں نے اپنے افسانوں میں تحریک پیدا کرنے والی زبان کو نہیں اپنایا۔ کیونکہ ایسی زبان کچھ دیر کے لیے جذبات کو متحرک کرتی ہے لیکن اس سے کبھی کبھی ڈبل نقصان ہو جاتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ایسی بات حقیقت پرستی کے ساتھ نہیں چل سکتی اور دوسری بات یہ کہ استعارات اور تشبیہات انسان کو فرضی اور خیالی دنیا میں لے جاتے ہیں۔ اور زبان حسین دنیا سے حقیقت کی تلخ صورتوں میں واپس نہیں آتی۔ اس طرح واقعات کے اظہار میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ لیکن بیدی کی زبان میں اس طرح کی سجاوٹ نظر نہیں آتی۔ وہ سماج کی حقیقتوں کو اور واقعات کو صحیح طریقے سے پیش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ زبان کی بناوٹ کی بھی پروا نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے ان کی کہانیوں میں حیرت انگیز اختصار موجود ہے۔

مثال کے طور پر افسانہ ''لاجونتی'' کے جملے ''بٹوارہ ہوا اور بے شمار زخمی لوگوں نے اٹھ کر اپنے بدن سے خون پونچھ ڈالا اور پھر سب مل کر ان کی طرف متوجہ ہو گئے جن کے بدن سالم تھے لیکن دل زخمی۔'' اسی طرح ''گرم کوٹ'' کا ایک جملہ ''میں نے کوٹ کھونٹی پر لٹکا دیا۔ میرے پاس ہی دیوار کا سہارا لے کر شمی بیٹھ گئی اور ہم دونوں سوئے ہوئے بچوں اور کھونٹی پر لٹکے ہوئے گرم کوٹ کو دیکھنے لگے۔ ان افسانوں کے جملوں پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام الفاظ نپے تلے اور ایک داستان کے روپ میں ہیں۔

> ''ان کی کہانیوں کے بیچ میں سے کسی جملے کی تعریف کرنا یا کسی بیان پر سر دھننا مشکل ہے کیونکہ کہانی کا ایک
> ایک لفظ، ایک ایک جملہ، کردار، واقعہ، نقطہ اور پیچ و خم ایک مکمل اکائی کا جزو ہوتا ہے۔''
>
> (حسن، 1985ء، ص 89)

اگر بیدی کے فن کی بات کریں تو اس کی سب سے اہم خصوصیت فنِ تعمیر ہے۔ بیدی کا مزاج علامتی ہے اور ایسی علامت اور رمزیت سے وہ اپنے فن کو پوری طرح کہانی میں چنتے ہیں۔ یہ ایک ایسی طرز ہے جسے صرف بیدی نے اردو افسانے میں استعمال کیا۔

بیدی نے اپنے افسانوں میں انوکھی شبیہات بھی بیان کی ہیں۔ مثلاً افسانہ لمس میں ''سارجنٹ اپنا بیٹن تان کر ہجوم میں یوں گھومنے لگا جیسے کوئی کوئی تیز چھری خربوزے میں پھر جائے۔''

اسی طرح افسانہ ''لاجونتی'' میں تشبیہ کچھ یوں بیان کی ہے۔

''وہ عورتیں جو محفوظ اس پار پہنچ چکی تھیں گوبھی کے پھول کی طرح پسری رہتیں۔ ان کے پتی ان کے پہلو میں ڈنٹھلوں کے طرح اکڑے پڑے رہتے۔'' لمبی لڑکی میں تشبیہ کو یوں لکھا گیا ہے۔

''اس کا چہرہ پیڑ سے گرے پیپل کے (سوکھے) پتے کی طرح تھا، جس طرح رگوں ریشوں کا ایک جال سا نظر آتا ہے۔''

افسانہ غلامی میں تشبیہ کچھ یوں بیان ہوئی۔ ''پولھو رام کی سی آواز نکالتے ہوئے ہنسا''۔ ایک اور جگہ یوں بیان ہوئی ''اس کی حالت اس سانپ کی سی تھی جو کافی عرصہ کینچلی میں مردوں سے بھی بُری حالت میں رہ کر جب کینچلی اتار پھینکتا ہے۔ تو بہت دور بھاگ جاتا ہے۔ لیکن پھر اسے دیکھنے کے لیے ضرور بولتا ہے۔'' افسانہ بکی کے اختتام پر بھی بیدی نے تہذیب کے بارے بڑی خوب صورت تشبیہ بیان کی ہے ''تہذیب بھی انگور کے دانوں کی طرح ہے، بہت پک جاتی ہے تو اس سے شراب کی بو آنے لگتی ہے۔''

اگر بیدی کے افسانوں میں تجسیم کی بات کریں تو اس کی زیادہ تر کہانیوں میں کہانی نہیں بلکہ تجسیم ہوتی ہے۔ کوئی کتاب پڑھتے ہوئے دوستوں سے بات چیت کرتے ہوئے، گھریلو آوازوں اور بیرونی حالت پریشانی کے عالم میں کوئی لفظ، جملہ، محاورہ یا کوئی گیت۔۔۔ ایسے ہی جیسے سیپ کے منہ میں ریت کا ننھا سا ذرہ ہو۔ اور بیدی اپنے فن کا پانی چڑھا کر اس کو ایک انمول موتی بنا دیتا ہو۔ کنہیا لال کپور نے بیدی کے بارے ایک مرتبہ کہا تھا کہ بیدی تجسیم کا بادشاہ ہے اور یہ بات بالکل درست ہے کیونکہ بیدی زندگی کے تجربات کی بنا پر موضوع سے ہٹ کر چھوٹی چھوٹی جزئیات سے کہانی کا جال بُنتا ہے۔ اور قاری اس کو پڑھنے کے بعد اس مقام پر آ جاتا ہے جہاں قاری کی سوچ پر تجسیم اور بنیادی خیال نقش ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال افسانہ ''نامراد'' ہے۔ صفدر نقش بندی کی منگنی رابعہ سے ہوتی ہے جسے اس نے کبھی دیکھا بھی نہیں۔ لیکن شادی سے دو دن پہلے رابعہ کی وفات ہو جاتی ہے۔ رابعہ کی ماں کی خواہش ہے کہ اُس کی بیٹی کا ہونے والا دولہا اسے ایک بار دیکھ لے۔ آخر میں رابعہ کی ماں اپنی بیٹی کو نامراد کہتی ہے۔ لیکن صفدر سوچتا ہے کہ وہ تو ایک دوسرے کو جانتے نہیں تھے پھر دونوں نامراد کیسے ہوئے۔ ہاں رابعہ کی ماں دونوں کو جانتی تھی۔

دوسرے افسانہ نگاروں کی طرح بیدی کے افسانوں میں بھی عورت نظر آتی ہے۔ یہ عورت افسانوں میں مختلف رشتوں اور روپ میں نظر آتی ہے۔ مائکے میں یہ بہن، بیٹی اور نند کے روپ میں ہے۔ سسرال میں یہ بیوی، بھاوج اور ماں کے روپ میں ہوتی ہے۔ بیدی نے اس سماج کی عورت کی زندگی میں دکھ درد، مظلومیت اور بے کسی کو بڑے فنکارانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ بیدی کے خیال کے مطابق ایسی عورت جو خاندان کے گھریلو ماحول میں حقیقی اور پُر خلوص جذبات کی ترجمانی کرے تو قاری کا دل ایسی رومان کی لطافتوں میں کھو جاتا ہے کہ وہ جذبات سے متاثر ہو کر خوشی کے آنسو آنکھوں میں لے آتا ہے۔ بیدی نے اپنے افسانوں میں ایسی عورت کی عکاسی کی ہے جو ہندوستان کے تمدن میں رچی بسی ہے۔ افسانوں میں عورت کا کردار مرد کی نسبت زیادہ توانا اور جاندار ہے۔

'' لیکن کرداروں پر گہری نظر ڈالنے سے عیاں ہوتا ہے کہ بیدی کے یہاں عورت کا کردار مرکزیت کا حامل ہے جو وسیع ماحول میں پیش کیا گیا ہے۔''

(زاہدہ، 2014ء، 159)

اپنے دکھ مجھے دے دو اس افسانے میں ہندوستان کی عورتوں کے بارے میں ایک کردار اندو کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔ اندو ایک وفادار اور مثالی عورت ہے جو پہلی رات ہی اپنے شوہر کو کہتی ہے:

''تم اپنے دکھ مجھے دے دو۔''

Vol. 6 No.3 2023
ISSN Online: 2709-7
ISSN Print: 2709-76

(بیدی،1975،ص 120)

اس افسانے کا بنیادی کردار اندو ہے اس کی شادی مدن سے ہوتی ہے۔وہ مدن،اُس کے چھوٹے بہن بھائیوں اور باپ کا بہت خیال رکھتی ہے۔وہ اپنے شوہر کے گھریلو مسائل کو حل کرنے کے لیے سارا دن گھر کا کام کرتی رہتی ہے۔وہ رات گئے تک کاموں میں مصروف رہتی ہے:

”جب بہو کھانے پینے سے فارغ ہو جاتی اور برتنوں کی طرف متوجہ ہوتی تو بابو دھنی رام اسے روکتے ہوئے کہتے:”رہنے دو بہو،برتن صبح ہو جائیں گے۔“اندو کہتی:نہیں بابو جی،میں ابھی کیے دیتی ہوں جھپاکے سے۔“

(بیدی،1975،ص 212)

افسانے میں جنسی پیچیدگیوں کو بھی بیان کیا گیا ہے۔اندو سارا دن کی مصروفیت کی وجہ سے تھک جاتی ہے لیکن مدن جب اسے جسم کی خواہش کے لیے بلاتا ہے تو وہ وقت پر نہیں آپاتی کیونکہ چھوٹی منی اس کی پاس ہوتی ہے اور مدن بابو جی کے خیال سے اونچی آواز بھی نہیں دیتا۔یہ ایک داخلی کشمکش ہے۔

”دیر تک مدن بستر میں پڑا کسمساتا رہا لیکن بابو جی کے خیال سے اندو کو آواز دینے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔“

(بیدی،1975،ص 123)

مدن کی اماں مر چکی ہے اُس کا باپ دھنی رام اپنی بہو میں اپنی بیوی کی خوبیاں دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔اور ملول بھی ہوتا ہے۔وہ بوڑھا ہو گیا ہے۔وہ اپنی بہو کے کپڑوں کو کبھی کبھی سمیٹتا پھرتا ہے اور اس عمل میں اسے کافی خوشی محسوس ہوتی ہے۔اس خوشی کی جڑیں جنسی مسرت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس افسانے میں جنسی پیچیدگیاں بھی بیان ہوئی ہیں۔

بعض افسانوں میں عورت کا کردار مذہب اور تمدن کی عکاسی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔مثال کے طور پر ”اپنے دکھ مجھے دے دو“ میں اندو کے کردار سے چاند اور سوم اس سے مراد لی گئی ہے۔مدن کے کردار سے عشق و محبت کا دیوتا کامدیو اور رتی کی طرف اشارہ ہوا ہے۔اسی طرح بعض اساطیری الفاظ کی مدد سے دھرم اور سنسکرتی کے حوالے دیتے ہوئے ایک خاص طرح کی معنویت پیدا کی ہے۔جو کرداروں کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔مثلاً مکر راسی ، سنسکرت کی دیوی،اماوس،پورنما،راکھی،منگل اشٹکا،تلا دان،گرہن،لچھمن،رکشا بندھن،مکتی بودھ اور ستی ساوتری جیسے اساطیری حوالوں سے تمدن کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔

بیدی نے اپنے افسانوں میں عورت کے جذبات،دلی کیفیات اور نفسیات کو مختلف زاویوں سے بیان کیا ہے۔اور عورت کی معنویت کو سمجھانے کے لیے مرد کی نفسیات کو پہلو بہ پہلو بیان کیا ہے۔عورت خاص طور پر ہندوستانی سماج کی عورت ہر حال میں ممتا کا روپ ہوتی ہے۔

”محبت کا جذبہ ان سب کے یہاں مادرانہ احساس رکھتا ہے۔جنس کا بیان اپنی حدود میں رہتا ہے۔۔۔بیدی کے یہاں عورت مکمل طور پر ماں ہے۔وہ شاید ہندو،دیومالا سے متاثر ہیں۔جہاں عورت ماں کی علامت ہے وہ اپنے شوہر کو اسی پیار سے دیکھتی ہے جس پیار سے اپنے بچے کو دیکھتی ہے۔“

(اطہر،1998،ص13)

راجندر سنگھ بیدی بحیثیت افسانہ نگار کسی تعریف کا محتاج نہیں ہے۔اردو افسانہ نگاری میں ان کی گراں قدر خدمات ہیں۔ادبی تخلیقات کی وجہ سے وہ اپنے ہم عصر افسانہ نگاروں میں منفرد اور ممتاز مقام رکھتا ہے۔چونکہ ہمارا استفسار یہ تھا کہ راجندر سنگھ بیدی کے افسانوں میں منفرد طرز فکر پائی جاتی ہے اس لیے مجوزہ مقالے میں ان کے چھ افسانوی مجموعوں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لے کر طرزِ فکر کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ان کے افسانوں میں منفرد طرزِ فکر کی کئی جہتیں دکھائی دیتی ہیں۔اگر بیدی کے افسانوں کی بات کریں تو بیدی نے ہندوستانی سماج کے عام لوگوں کی زندگی کو موضوع بنایا ہے۔جس کی وجہ سے ان کے ہاں کردار فرضی نہیں بلکہ حقیقی زندگی گزارتے نظر آتے ہیں۔ان کے افسانوں میں جنس کو بڑے مثبت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ان افسانوں کو پڑھنے سے انسان اور انسانیت پر اعتماد بڑھ جاتا ہے۔انہوں نے حقیقی زندگی کو گہرے مشاہدے اور غور و فکر

کے بعد پیش کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ کچھ افسانہ نگاروں کی نسبت کم لکھنے کے باوجود وہ افسانوی ادب میں منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔مثبت اور منفرد طرزِ فکر کے لحاظ سے مستقبل میں یہ موضوع اپنی وسعت اور زندگی کے تمام پہلوؤں کی تفہیم کے لیے اہمیت کا حامل ہے

حوالہ جات

1۔ جگدیش چندر ودھاون،(2013ء)،راجندر سنگھ بیدی شخصیت اور فن، دہلی،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس۔

2۔ راجندر سنگھ بیدی،(1942ء)، گرہن،لاہور مکتبہ اردو لاہور۔ص10

3۔ گوپی چند نارنگ،(1984ء) ،بیدی کے فن کی استعاراتی اور اساطیری جڑیں، مشمولہ ،زیتون بانو اور تاج سعید،راجندر سنگھ بیدی فن اور شخصیت،پشاور،مکتبہ ارژنگ۔ص237

4۔ وقار عظیم،(1985ء)راجندر سنگھ بیدی، مشمولہ شہناز نبی،بیدی ایک جائزہ۔کلکتہ،سعید پریس۔ص5

5۔ محمد حسن،ڈاکٹر،(1985ء)،بیدی کا فن، مشمولہ، شہناز نبی،بیدی ایک جائزہ۔ص81

6۔ محمد حسن،ڈاکٹر،(1985ء)،بیدی کا فن، مشمولہ، شہناز نبی،بیدی ایک جائزہ۔ص89

7۔ زاہدہ بی،ڈاکٹر،(2014ء)راجندر سنگھ بیدی کی تخلیقات میں نسوانی کرداروں کا تجزیاتی مطالعہ،(دوسرا ایڈیشن)، علی گڑھ،وانگیمہ بکس۔ص159

8۔ اطہر پرویز،ڈاکٹر،(1998ء)،راجندر سنگھ بیدی اور ان کے افسانے، علی گڑھ،ایجوکیشنل بک ہاؤس۔ص13

9۔ راجندر سنگھ بیدی،(2011ء)،اپنے دکھ مجھے دے دو،(تیسرا ایڈیشن) نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ص120

10۔ ایضا":ص212

11۔ ایضا":ص123